میر سید علی ہمدانیؒ
مترجم: ڈاکٹر محمد ریاض

آدابِ احتساب

(امر بالمعروف و نہی عن المنکر)

احتسابِ اسلامی حکومتوں اور معاشرت کا ایک ضروری فریضہ رہا ہے۔ اس فرض کفایہ کے احکامات قرآنِ مجید اور احادیثِ رسول میں موجود ہیں۔ عصرِ حاضر کے مسلمان بھی اس کی ادائیگی کے لیے مکلف ہیں، خواہ اس کی ادائیگی رسمی ہو یا غیر رسمی۔

حضرت میر سید علی ہمدانی متوفی ۷۸۶ھ، جنھیں شاہِ ہمدان، علی ثانی، امیرِ کبیر اور حواریِ کشمیر کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے، اور جنھوں نے ترکستان، وادی جموں و کشمیر اور گلگت وغیرہ میں ناقابلِ فراموش تبلیغی خدمات انجام دی ہیں[1] عربی اور فارسی زبانوں میں بہت بڑے مصنف تھے۔ ان کی اہم ترین کتاب 'ذخیرۃ الملوک' ہے جس میں مسلمان حکمرانوں کی راہنمائی کی گئی ہے کہ وہ امورِ شرع کو کس طرح نافذ کریں۔ اس کتاب کا ساتواں باب احتساب کے بارے میں ہے جسے عہدِ اکبری کے مشہور بزرگ حضرت اخوند درویزہ نے پشتو زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ پوری کتاب بھی مدتوں پہلے لاطینی، فرانسیسی اور اردو میں منتقل ہو چکی ہے[2]۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر مصنف کی یہ تحریر ایک مستقل مقالے یا کتابچے کا مقام رکھتی ہے، اس لیے ہم بعض توضیحات کے ساتھ اسے اردو میں منتقل کر رہے ہیں۔ 'ذخیرۃ الملوک'[3] جس کی علامہ اقبال نے بھی تعریف کی ہے کے باقی ابواب کا بھی یہی رنگ ہے مگر بعض اس سے مفصل ہیں اور بعض مختصر۔ مصنف کی بعض آرا آج کل

---

[1] دیکھیے ماہنامہ "فکر و نظر" اسلام آباد بابت دسمبر ۱۹ ۳ء میں راقم الحروف کا مقالہ۔

[2] کتاب بمبئی (سال ندارد)، بہاولپور (۱۹۰۵) اور امرتسر (باہتمام نیاز علی خان ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء) میں شائع ہوئی ہے۔ میرے پاس مؤخر الذکر اشاعت کا متن ہے۔

[3] ملاحظہ ہو انوارِ اقبال، گفتارِ اقبال اور جاوید نامہ (آنسوے افلاک)۔ آخری کتاب میں اسے کتاب الملوک لکھا گیا ہے۔

عجیب نظر آتی ہیں مگر ان سے آٹھویں صدی ہجری کا معاشرہ منعکس ہے۔

یہاں آیاتِ قرآن مجید اور احادیثِ قدسی کا صرف ترجمہ بحوالہ درج کیا گیا ہے۔ مترجم

ساتواں باب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کے بارے میں ہے۔ یہاں اس کے فضائل اور آداب و شرائط بیان ہوں گے۔ نیز بعض وہ امور زیر بحث آئیں گے جو منکرات ہیں مگر لوگوں میں متداول ہو چکے ہیں اور ان سے بھی دُوری اختیار کرنا چاہیے۔

آیات و احادیث

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (قرآن مجید، آیت ۱۰۴، سورہ ۳): "ضروری ہے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہو جو نیکی کی طرف دعوت دے۔ اس کے افراد نیکی کا حکم دیں، برائی سے منع کریں اور فلاح پانے والے یہی لوگ ہیں" اس آیتِ کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تین امور بتائے ہیں۔ ایک امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی فرضیت ہے۔ دوسرا اس کا فرضِ کفایہ ہونا ہے۔ اگر ایک شہر میں چند افراد اس کام کو انجام دیں، تو دوسروں سے اس کی فرضیت ساقط ہو جائے گی۔ لیکن اگر سب اس فریضے سے مُنہ موڑے رہیں تو خدا کے ہاں گناہ گار ہوں گے اور روزِ قیامت ان سے باز پرس ہوگی۔ تیسری بات نیکی کی طرف راغب کرنے والوں اور برائی سے منع کرنے والوں کی فضیلت و سعادت ہے کہ ایسے مخلص لوگ فلاح و رستگاری کی راہ پر گامزن ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم نے فرمایا تھا: جس قوم کے بعض افراد معصیت میں مبتلا ہوں[۴] اور دوسرے طاقت کے باوجود انھیں اس کام سے نہ روکیں، اللہ تعالیٰ بے شک ان سب کو عذاب و عقاب دے گا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت[۵] میں میری جان ہے کہ تمھیں نیکی کی تلقین کرنا اور برائی سے روکنا چاہیے ورنہ تم

---

[۴] دیکھیے سنن ابن ماجہ حدیث، شمارہ ۸۰۰ (امام غزالی نے بھی احیا علوم الدین جلد دوم میں اسے نقل کیا ہے)

[۵] احیا علوم الدین، جلد ۲ (مصر ۱۹۶۷) ص ۲۲۵

عذابِ الیم آئے گا اور تمھاری دعائیں بھی مستجاب نہ ہوں گی۔

حضرت ابوسعید خدریؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی ہے: تم میں سے جو برائی دیکھے اسے ہاتھ سے روکنے کی کوشش کرے۔ ایسا نہ کر سکے تو زبان سے[۵۶] منع کرے ورنہ دل میں برا جانے۔ یہ تیسرا عمل ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ برائی کو ہاتھ یا زبان سے روکنا چاہیے ورنہ دل میں برا جاننا چاہیے۔ جو یہ آخری کام بھی نہ کرے اس کا ایمان سے کوئی رابطہ نہیں۔

عرسؓ بن عمیرہ (الکندی) نے روایت کی کہ آنحضرت صلوات اللہ علیہ نے فرمایا: جب روئے زمین[۵۷] پہ گناہ ہوں، تو جو اُن کا ارتکاب نہ کرے وہ ایسا ہے جیسے وہاں سے غائب رہا، مگر جو واقعی گناہ کے مقام سے دور ہو کر اس کے ارتکاب پر خوش ہو وہ ایسا ہے جیسے وہاں موجود رہا ہو (اور ارتکابِ گناہ میں شریک)۔

فرمانِ نبویؐ ہے: تم نیکی کرنے کا لوگوں کو کہو اور برائی سے روکو ورنہ تم پر اشرار مسلط کر دیے جائیں گے اور تمھارے اخیار کی دعا بھی قبول نہ ہو گی۔ حضور انورؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: غزا فی سبیل اللہ[۵۸] کی نیکیاں بحرِ بے کراں کے ایک قطرے کی طرح ہیں اور امر بالمعروف کی نیکیوں کے بارے میں ان کی یہی حالت ہے۔ (بحرِ بیکراں کا ایک قطرہ)

حدیثِ قدسی ہے، خطاب بہ صحابہ کہ راہوں میں بیٹھے رہنے سے بچو۔[۵۹] صحابہؓ نے عرض کی کہ ایسا ناگزیر ہے، کیونکہ ہم اس طرح بات چیت کرتے ہیں۔ فرمایا: ایسا ہے تو راہِ حق میں مستقر رہو۔ صحابہ نے پوچھا: راہِ حق میں نشست کیسی ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: نامحرم پر نظر نہ ڈالنا، لوگوں کو آزار نہ دینا، سلام کا جواب کہنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انجام دینا۔

اس ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند مزید ارشادات نقل کیے جاتے ہیں:

نیکی کا کہنے، برائی سے روکنے اور خدائے تعالیٰ کا ذکر کرنے کے سوا بنی آدم کی گفتگو اس کے لیے وبال ہے۔[۶۰]

---

۵۶ مسلم شریف ۵۷ احیاء علوم الدین، ج ۲، ص ۳۰۹ ۵۸ ایضاً

۵۹ ایضاً، ص ۳۰۸، نیز مسلم شریف، ج ۳ ۶۰ سنن ابن ماجہ شمارہ ۳۹۷۴

اللہ تعالیٰ خواص کے گناہ پر عوام سے مواخذہ نہیں کرتا۔ مگر عوام گناہ روکنے پر قدرت رکھنے کے باوجود اگر ان معدود افراد کو نہ روکیں اور یہ سلسلۂ گناہ جاری رہے، تو خواص اور عوام سب عذابِ الٰہی کی لپیٹ میں آجائیں گے[11]۔

(بروایت حضرت ابوامامہؓ[12]) فرمایا: اس وقت تمھارا کیا حال ہوگا[13] جب تمھاری عورتیں گردن کشی کریں گی اور تمھیں حکم دینے لگیں گی، تمھارے نوجوان فسق و فجور میں مبتلا ہوں گے، تم غزا و جہاد ترک کر دوگے اور نفسانی لذتوں کے پیچھے پڑ جاؤ گے؟ صحابہ نے عرض کیا: کیا ایسا ہوگا؟ فرمایا: ہاں، بلکہ خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس سے بھی بدتر ہوگا۔ لوگوں نے عرض کیا: اس سے بدتر کیا ہوگا؟ فرمایا: یہ کہ تم نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنے سے جی چرانے لگو گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: ایسا بھی ہونے لگے گا؟ فرمایا: ہاں، خدائے برتر کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، اس سے اور بھی بُرا اور مشکل وقت آئے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا: اس سے بدتر اور مشکل تر وقت اور کون سا ہوگا؟ فرمایا: اس وقت کا خیال کرو جب معروف کو منکر اور منکر کو معروف جانو گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: ایسا بھی ہوگا؟ فرمایا: ہاں اس ذاتِ متعال کی سوگند جس کے تصرف میں میری جان ہے، ایسا ہوگا، خدائے تعالیٰ نے اپنے جلال کی قسم کھا رکھی ہے کہ ایسی قوم کو وہ عذاب اور فتنوں میں ایسا مبتلا فرمائے گا کہ اس کے عقلا اور ابرار بھی حیران اور پریشان ہوں گے۔

(بروایت حضرت ابنِ عباسؓ) کسی کو حق گوئی سے باز نہ رہنا چاہیے[14] کیونکہ خدا کی متعین کردہ موت کو کوئی پہلے نہیں لا سکتا، نہ اس کے مقرر فرمودہ رزق کو کوئی روک سکتا ہے۔

(بروایت حضرت جابر بن عبداللہ انصاری) اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتے کو حکم دیا[15] کہ فلاں علاقے کو

---

[11] احیاء علوم الدین، ج ۲، ص ۳۰۸ [12] ابوامامہ الباہلی (صدی بن عجلان)، متوفی حمص (شام) ۸۱ھ۔

[13] احیاء علوم الدین، ج ۲، ص ۳۰۹ [14] ایضاً

[15] ایضاً، "وجوب امر بالمعروف" کا عنوان۔

مع اس کے باشندوں کے پلٹ دو - فرشتے نے عرض کی کہ وہاں فلاں نیک عابد بھی تو رہتا ہے جو خاصانِ باری میں شامل ہے - ارشاد ہوا: اس علاقے کو اس کے سمیت پلٹ دو کیونکہ اس نے بدکاروں کو نیکی کا درس دینے میں کوئی لمحہ صرف نہیں کیا۔

(بروایت حضرت عائشہؓ صدیقہ) - اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے علاقے کو مبتلائے عذاب کیا[۱۷] جس میں اٹھارہ ہزار ایسے نیک لوگ رہتے تھے جن کے اعمال انبیا کے اعمال کے مشابہ تھے - صحابہؓ نے عرض کی: ایسے صالح اعمال والے کیسے ہلاک ہوتے؟ فرمایا: وہ خود تو نیک تھے، مگر دوسروں کو نیکی کی رغبت دلاتے تھے نہ برائی سے روکتے تھے۔

(اس حدیث کو عروہؓ بن زبیرؓ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے) - موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ خدایا کون سا بندہ تجھے بہت محبوب ہے؟ جواب ملا: وہ جو ہماری خوشنودی کے لیے ایسی کوشش کرے جیسے دوسرے لوگ اپنی آرزوؤں کے حصول کے لیے کرتے ہیں مثلاً جیسے بچہ دودھ کی خاطر ماں سے چاہتا ہے، ایسے ہی وہ ہمارے جادۂ خوشنودی سے متمسک رہے، اور وہ جو ہماری رضا کی خاطر برائی دیکھ کر ایسا غضب ناک ہو جیسے چیتا اپنے نفس کی خاطر غضب ناک ہوا کرتا ہے۔

مفہوم یہ کہ جس طرح غضب ناک چیتا لوگوں کی کمی یا بیشی کا لحاظ کیے بغیر حملہ کر دیتا ہے، اسی طرح مومن خوشنودیٔ خدا کے کاموں میں تذبذب دکھائے بغیر آگے آجائے - غیرتِ دین کا تقاضا یہ ہے کہ مومن یکہ و تنہا ہو تو بھی سلاطین و امرا کے رعب کی پرواہ نہ کرے اور خدا سے نصرت مانگ کر انھیں حق کی بات کہے، اور حق کے راستے میں مال یا جان کے چلے جانے کو راہِ باری کا شکرانہ اور نذرانہ جانے -

(بروایت حضرت ابوعبیدہؓ جراح) - نبی اکرم سے میں نے عرض کیا: شہدا میں[۱۸] سے خدائے تعالیٰ کو کون سا نیا وہ محبوب ہے؟ فرمایا: وہ جو جابر حاکم کے سامنے حق بات کہہ سکے اور اُسے برائی سے روکنے کی کوشش کر دکھائے - پھر وہ قتل کر دیا جائے یا زندہ رہے، وہ خدا کے ہاں محبوب شہدا کے زمرہ میں شامل رہے گا۔

---

[۱۷] احیاء علوم الدین، ج ۲، ص ۳۱۰ [۱۸] ایضاً

(بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے عرض کیا: جس ملک میں نیک لوگ رہتے ہوں، خدائے تعالیٰ کیا اسے بھی نابود کر دے گا؟ فرمایا: ہاں۔ دوبارہ عرض کیا گیا کہ کس لیے؟ فرمایا: معاصی کی پرواہ نہ کرنے اور برائیوں پر چپ رہنے کی وجہ سے۔

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما نے روایت کی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین[۵۸] مرتبہ فرمایا کہ "دین نصیحت ہے"۔ صحابہؓ نے عرض کیا: نصیحت کس کی خاطر ہے؟ فرمایا: اللہ کے لیے، اس کے حکم کے نفاذ کے لیے، مسلمان حکام اور عوام کے لیے۔

مقصد یہ کہ حکام اور عوام کی اصلاح کی خاطر۔ دینی احکام پر عمل کی نصیحت کرنا، قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے۔ یہ کام علمائے دین کا فریضہ ہے مگر اس عصر کے علما یہ کام کیسے کریں گے؟ وہ غفلت کے صحرا میں حیران ہیں، ان کی زمام اختیار ہوا و ہوس کے ہاتھ ہے، کینے اور حسد نے ان کے آئینۂ خاطر کو غبار آلود کر رکھا ہے، حرص و آز کی صناعی نے انھیں کور باطن بنا دیا، فانی دنیا کی رعنائیاں ان کا قبلۂ حاجات ہیں اور وہ مناصب اور شہرت کی خاطر دنیوی علوم و فنون کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں زمرہ علما خود محتاجِ نصیحت ہیں۔ وہ کسی کو کیا نصیحت کریں گے؟

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ہر پیغامبر کے اصحاب[۵۹] رہے ہیں جب تک پیغامبر اپنی اس ملت میں موجود رہا، وہ لوگ کتاب اللہ اور فرمانِ باری کے مطابق زندگی گزارتے رہے۔ پیغامبر کے بعد اس کے اصحاب نے عام مومنوں کی راہنمائی کی۔ اس کے بعد دوسرے لوگ منبروں پر آگئے۔ باتیں اچھی کیں مگر کام بُرے۔ میرے بعد بھی ایسا ہی ہوگا۔ تم جب ایسی حالت دیکھو تو ان کے خلاف جہاد کرو۔ ہاتھ سے نہ ہوسکے تو زبان سے ایسوں کو بُرا کہو اور اگر زبان بھی یاوری نہ کر سکے، تو دل میں بُرا جانو کیونکہ جو بدعملوں کو دل میں بھی بُرا نہ جانے، اسے اسلام سے کچھ واسطہ نہیں۔

---

۵۸ مسلم شریف، ج اول

۵۹ ایضاً۔ نیز احیاء علوم الدین، ج ۲

احتساب کے ارکان

میرے عزیز! منقولہ بالا آیات اور احادیث سے احتساب یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فرضیت اور واجبیت تجھ پر عیاں ہوگئی۔ اب اس کے ارکان کو سمجھ۔

جو شخص اس محترم کام کے لیے مقرر اور مامور ہو اسے محتسب کہتے ہیں اور اس کے کام کو احتساب۔ احتساب کے کام کے مستحق کو محتسب علیہ کہا جاتا ہے اور جس صفت اور کام کے ذریعے کسی نے احتساب کرنے کا استحقاق حاصل کیا ہو، اُسے محتسب فیہ کہتے ہیں۔ بنا بریں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام کے چار ارکان ہوئے: محتسب، احتساب، محتسب علیہ اور محتسب فیہ، اور ہر رکن کے درست ہونے کی خاطر کچھ آداب و شرائط ہیں۔

محتسب

محتسب کے لیے ضروری ہے کہ اسلام پر ہو، عاقل و بالغ اور مکلف و با استطاعت ہو۔ کافر کو احتساب کی تمیز کہاں ہوتی ہے؟ نابالغ پر شرعی احکام کا بجالانا واجب نہیں۔ دیوانے اور معذور بھی یہ کام نہیں کرسکتے۔ ہاں نابالغ کو اگر خوب و بد کی تمیز ہو اور وہ برائی سے کسی کو منع کرسکے تو اس کے لیے کارِ ثواب ہوگا۔ بعض علما نے عدالت اور حاکم کی طرف سے اجازت حاصل کرنے کو احتساب کی شرط لکھا ہے مگر یہ دوسری شرط نارَوا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ظالم حاکم کے رُوبرو کلمۂ حق کہنا ایک افضل جہاد ہے۔ کتنے صحابہ اور علمائے دین کی مثال سامنے ہے کہ انھوں نے احتساب کی خاطر اذنِ حاکم کی پروا نہیں کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر سلطان یا حاکم نیکیوں کے پھیلانے اور برائیوں کے استیصال میں مساعدت کرے تو وہ شریکِ ثواب ہے ورنہ وہ راہِ بدعت پر ہے اور اس بدعت و منکر سے روگردانی ضروری ہو جاتی ہے اور ایسے سے اجازت کی طلب کرنا بے معنی ہے۔ صحابہ اور علمائے دین نے تو ہر قسم کی بدعت کے خلاف آواز اٹھائی ہے: کہتے ہیں کہ نبی اکرمؐ کے عصر سے خلیفہ مروان کے زمانے تک عیدگاہ میں منبر نہیں ہوتا تھا۔ نبی اکرم نکلتے میدان میں نماز پڑھتے پھر اٹھ کر لوگوں کی طرف رُخ فرماتے اور خطبہ پڑھتے۔ خلفائے راشدینؓ اور ان کے بعد مروان کے زمانے تک یہی روش رہی۔ اس خلیفے نے منبر بنوایا تھا۔ عید کے دن جب خطبہ پڑھنے منبر پہ آیا تو حضرت ابوسعید خدریؓ اس

بدعت پر معترض ہوئے۔ خلیفہ نے ہر چند کہا کہ یہ بدعت نہیں، بلکہ لوگوں تک آواز پہنچانے کی ایک ترکیب ہے، مگر وہ نہ مانے، وہاں سے چل دیے اور اس خلیفہ کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کر دیا۔

شیخ ابوالحسن نوری کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ کم آمیز تھے اور دینی باتوں کے سوا دوسری باتوں سے دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ مگر جان جانے کا خطرہ ہو، تو بھی برائی کو ضرور روکتے تھے۔ ایک دن آپ وضو کی غرض سے دریائے دجلہ کے کنارے پہنچے اور وہاں ایک کشتی دیکھی جس پر شراب کے ۳۰ مٹکے سربمہر رکھے تھے، مگر ان کے اوپر "لطف" لکھا ہوا تھا۔ شیخ نے استفسار کیا کہ یہ کیا ہے؟ ملاح کہنا تھا کہ تم جیسے درویش کو اس سے کیا مطلب، مگر شیخ پوچھتے جاتے تھے۔ آخر بتایا گیا کہ یہ دربار امیر المومنین کے لیے خاص شراب ہے۔ شیخ نے ملاح سے چپو مانگا۔ وہ نہ مانا مگر اس کے معاون نے شیخ کے حوالے کیا اور شیخ نے اس سے وہ مٹکے توڑ ڈالے۔ ملاح اور اس کے ساتھیوں نے شور مچایا۔ اتنے میں وہاں کا کوتوال یونس بن افلح آ گیا اور شیخ کو گرفتار کر کے خلیفہ کے دربار کی طرف لے چلا۔ معاصر خلیفہ معتضد باللہ تھا جو سختی کے لیے مشہور ہے۔ لوگوں نے خیال کر رکھا تھا کہ شیخ ابوالحسن نوری کی جان گئی۔ شیخ کو جب پیش کیا گیا، تو خلیفہ ایک گرز ہاتھ میں لیے لوہے کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، اور چلا کر کہا: تو کون ہے جس نے یہ گستاخی اور بے ادبی کی؟ شیخ نے کہا: میں محتسب ہوں، خلیفہ نے کہا: تو کس کے حکم سے احتساب کر رہا ہے؟ شیخ نے جواب دیا: خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم سے، خلیفہ نے پھر پوچھا: تمھیں محتسب بنایا کس نے؟ شیخ بولے: اس نے جس نے تمھیں خلیفہ بنایا۔ معتضد نے ذرا تامل سے کہا: تم نے یہ مٹکے کس لیے توڑے؟ شیخ بولے: تجھ سے اظہار ہمدردی کے لیے کیونکہ برائی کی علامت کو میں نے مٹا دیا تاکہ اس کی وجہ سے تو روز قیامت رسوا نہ ہو۔ معتضد بولا: اب تمھیں برائی سے روکنے کی خاطر مامور کیا جاتا ہے۔ شیخ بولے: میں از خود خدا کے حکم کے مطابق یہ انجام دیتا رہا۔ اب تیرے حکم سے اور تیرا مامور بن کر میں خدا کی مخلوق کے دل رنجیدہ نہ کروں گا۔ اس قسم کی کئی حکایات صحابہ، تابعین اور علمائے سلف کے عمل سے منقول ہیں کہ انھوں نے احتساب کی خاطر حاکم کی اجازت یا اس کی طرف سے مامور ہونے کی پروا نہیں کی۔ البتہ جہاں خود احتساب کرنے سے فتنہ و فساد پیدا ہونے کا امکان ہو، وہاں ایسا کرنا ضروری ہے کہ سلطان یا حاکم کی طرف سے اجازت لے لی جائے۔ اس مسئلے کی کہ

قدر وضاحت ضروری ہے:

محتسب، پانچ صورتوں سے احتساب کر سکتا ہے۔ پہلے تعریف سے (اپنا کام بتا کر) دوسرے وعظ و سخن کے ذریعے، تیسرے سختی اور طنز آمیز گفتگو سے جیسے اے جاہلو، اے احمقو یا اے بے حمیتو کہنا، چوتھے منکرات کے بعض آلات کی شکست و ریخت کے ذریعے جیسے شراب کے برتن توڑنا یا آلاتِ سرود توڑ دینا یا چوری کا مال چھین کر صحیح مالکوں تک پہنچا دینا اور پانچویں تہدید، تعزیر اور مار پٹائی کے ذریعے اب اگر وعظ یا تعزیر کے لوگ مخالف ہوں، اور محتسب کی جان کا خطرہ اور فتنہ و فساد کا امکان ہو تو سلطان یا حاکم کی اجازت ضروری ہے تاکہ ماموران حکومت کی مدد سے فتنے اور فساد کو روکا جاسکے۔

احتساب میں عدالت کی شرط دو وجہ سے پیش کی گئی ہے: نقلی اور عقلی۔ نقلی کی مثالیں ان فرامین باری سے مستفاد ہیں کہ "کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو؟ (۲: ۴۴)۔ یا اے عیسیٰ، اپنے نفس کی پہلے اصلاح کرو، دوسروں کو ہی نصیحت نہ دیتے رہو" لیکن یہ احکام خود نیک بن کر نیکی کا درس دینے کے غماز ہیں، ان سے احتساب کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی۔ عقلی طور پر زکات کے عمل سے اس کا انطباق کرتے ہیں۔ نصابِ زکوٰۃ اس مال کے لیے ہے جو صالح ہو پس احتساب بھی صالحین کی شرط ہے۔ یہ بے عملی کی شرائط ہیں۔ احتساب میں عصمت شرط نہیں۔ صحابۂ کرامؓ انبیا کے بعد افضلِ امت ہیں، مگر معصوم وہ بھی نہ تھے۔ وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ: (۲۰: ۱۲۱) بنی نوعِ آدم کے مرتکب گناہ ہونے پر دلیلِ ناطق ہے، مگر اور انبیا و رسل کی لغزشیں بھی معروف ہیں، گو کہ خدا نے ان کا ازالہ فرما کر انھیں معصوم ہی رکھا۔ بہرحال اس سلسلے میں اکابر تابعین کے ایک فرد سعید بن جبیر نے فرمایا ہے: اگر احتساب کی شرط عصمت ہو، تو کوئی بھی احتساب نہ کر سکے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ گناہ گار بھی گناہ گار کا احتساب کر سکتا ہے۔ لباس حریر پہننا بھی غیر مستحسن ہے مگر لابسِ حریر، شرابی لوط، زانی کو تو منع کر سکتا ہے، اور یہ مؤخر الذکر گروہ، قاتل کا احتساب کر سکتا ہے۔ بلکہ شراب خوار اپنے خادموں اور گھر والوں کو اس کام سے منع کر سکتا ہے کیونکہ برائی سے بچنا واجب ہے اور برائی سے روکنا ایک دوسرا واجب عمل اور ایک کام کے ترک کر دینے سے دوسرے کا بھی ترک کر دینا واجب اور ضروری نہیں، اور ایک گناہ کے ساتھ دوسرے کو بھی ملانا، دانش مندی

نہیں۔ یہ لوگوں کی جہالت اور کور باطنی ہے کہ ایک برائی پر دوسری برائی اور ایک حرام کاری پر دوسرے حرام کاری کا اضافہ کیا جائے۔ ایک شخص دوسرے کا گھوڑا اور لگام چھین لے، تو کیا یہ مناسب ہے کہ وہ لگام مانگے اور گھوڑا بھلا دے۔ یا ان دونوں میں سے ایک چیز مل رہی ہو تو وہ دونوں سے دست بردار ہو بیٹھے؟ کیا یہ مناسب ہے کہ کوئی آدمی دوسروں کو ظلم سے بچانے کی کوشش کرے مگر اپنے آپ کو ظلم کی گھاٹی کے بیچ میں بٹھا دے؟ کسی نہ کسی درجے کا احتساب تو ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ یہ ضرور ہے کہ فاسق اور گناہگار کا وعظ بے اثر رہتا ہے۔ اسے اس احتساب سے باز رہنا چاہیے۔ مگر وعظ، عدالت، صرف یہاں مشروط ہو سکتی ہے۔ باقی احتسابات اس کے لیے مناسب ہیں

احتساب کی اقسام

پہلی قسم عوام کا عوام کی خاطر یا خواص کا خواص کی خاطر انفرادی یا اجتماعی احتساب ہے جس کی مثالیں اوپر نقل ہو چکیں۔

دوسری قسم بڑے اور صاحب اثر کے چھوٹے اور زیر اثر کا احتساب کرنا ہے جیسے بادشاہ کا، رعایا کا احتساب کرنا یا باپ کی طرف سے اولاد کا، شوہر کی طرف سے بیوی کا یا مالک کی طرف سے غلام کا احتساب اور یہ احتساب مصلحت کے مطابق ہر صورت میں ممکن ہے۔

تیسری قسم چھوٹے اور زیر اثر کا بڑے اور صاحب اثر کا احتساب کرنا ہے جیسے رعایا سلطان کا، شاگرد استاد کا، بیٹا باپ کا، بیوی شوہر کا اور غلام آقا کا احتساب کرے۔ اوپر احتساب کی جو پانچ صورتیں بیان ہوئیں۔ اس میں پہلی اور دوسری صورت سے کام لیا جا سکتا ہے۔ تیسری اور پانچویں صورت (برا کہنا یا ضرب) ممنوع ہے اور چوتھی صورت (برائی کے حامل آلات اور برتن وغیرہ توڑ دینا) میں اختلاف ہے، لیکن زیادہ حضرات نے اس کی حمایت کی ہے۔ مثلاً بیٹا، باپ کو نصیحت کر سکتا ہے، مگر برا بھلا نہیں کہہ سکتا البتہ باپ کے اسباب مناہی بھی بعض حضرات کی رائے کے مطابق، توڑ سکتا ہے۔ جمہور علما کے نزدیک جلاد بھی اپنے باپ کو قتل نہیں کر سکتا۔ خواہ وہ کافر ہو اور قصاص میں مارا جا رہا ہو۔ بیوی کا خاوند یا غلام کا آقا کے بارے میں بھی تقریباً یہی سلوک روا رکھنا ہے۔ لیکن بگڑے ہوئے حاکم کا احتساب کیا جا سکتا ہے، خواہ کسی

صورت میں بھی ہو۔

احتساب کی استطاعت وقدرت

اس شرط کا پہلے ذکر ہو چکا۔ محتسب کو با استطاعت یا بے قدرت ہونے کی وجہ سے چار حالتیں پیش آ سکتی ہیں: احتساب کا وجوب، سقوط، استحباب یا تخیر۔

وجوب (فرضیت) یہ ہے کہ احتساب سے برائی پر زد پڑنے کا فاعل کو یقین حاصل ہو۔ اس صورت میں مال یا جان کے نقصان کا خیال کیے بغیر اُسے احتساب کا فریضہ انجام دینا چاہیے۔ سقوط یا ترک احتساب یہ ہے کہ جب امر بالمعروف ونہی عن المنکر مفید نظر نہ آئے، اس وقت بھی شعائر اسلام کے اظہار کے لیے اُسے انجام دیں۔ مستحب یا نفل، کار ثواب ہے اور اس لیے احتساب کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوگا۔ محتسب کو مال وجان کی پرواہ نہ کرنا چاہیے اور بیان حق میں تغافل نہ برتنا چاہیے۔ استحباب کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اس صورت میں محتسب کے اقارب کو کوئی نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو تو اُسے متوقف رکھا جائے کیونکہ اس کام سے دفع شر کم ہوگا، اور ایک یا چند نئے فتنے پیدا ہوں گے۔ ایک مثال دیکھیں۔ ممکن ہے کہ کسی ظالم نے کسی دوسرے کا ذبح کر دیا ہو، اور غصے کی حالت میں اسے منع کرنے سے ممکن ہے کہ محتسب یا کسی دوسرے کا خون بہا دے۔ ایسا بے موقع احتساب حرام ہے۔ البتہ کوئی اگر اپنا سالم عضو کاٹنا چاہے، اور اسے اس کام سے بآسانی روکا نہ جا سکے، تو اس کی جان لے کر بھی یہ حرام اُسے کرنے نہ دیا جائے کیونکہ اسے ایک حرام کام سے روکنا ہے۔ خواہ اس میں ایک اور فتنہ پیدا ہو جائے۔ مقصد یہ ہے کہ منکرات کی سد بندی کی جائے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ کوئی اگر ایک مسلمان کا درہم بھر مال غصب کرنے لگے، تو اس کا روکنا ضروری ہے، خواہ اس کی کوشش میں غاصب مال کی جان ہی چلی جائے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لیے نہیں کہ مسلمان کی جان کی قیمت ایک درہم یا اس سے کم تر ہے، بلکہ اس لیے کہ غصب مال معصیت ہے، اور از روئے شرع معصیت کو مٹانا واجب ہے۔

ضمناً معاصی اور گناہ تین نوعیت کے ہیں: ماضی سے مربوط، حال کے، مستقبل کے متوقع۔ ماضی میں کسی نے کوئی گناہ کر دیا، جیسے زنا اور شراب خواری، تو اس پر تعزیر اجرا ہو گی۔ حکام کی مصلحت کو

اس میں داخل ہو سکتا ہے مگر رعایا مداخلت کا حق نہیں رکھتی۔ حال کی معصیت کی مثال شراب، مزامیر اور دیگر سامانِ عیاشی ہیں جن کے ذخائر، نابود یا مدفون کرنے کی ضرورت ہے، مستقبل ان وسائل کی موجودگی میں فسوق متمم ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کسی وقت شراب، بدکاری اور عیاشی کے وسائل ساکت وصامت اور بے ضرر نظر آئیں مگر برائی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے نقطۂ نظر سے ان کی مراقبت ضروری ہے، مثلاً عورتوں کے محلوں کے قریب اوباش شرارکو پھٹکنے نہیں دینا چاہیے کیونکہ یہ کئی جنسی آفات کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔

احتساب کے کام کے سات ادب ہیں۔ برائی کی پہچان، پند و انداز کی حکمت، سخت سست کہنا، تغیر حالت، مارپٹائی کی تہدید، مار دھاڑ اور احباب کی مدد سے مقابلہ۔ برائی یا منکر کی پہچان اور معرفت کی خاطر تجسس کرنے کی ضرورت نہیں۔ لوگوں کے در و دیوار اور گھروں میں جھانکنے اور شراب کی بو سونگھنے کے تکلف کی احتساب میں ضرورت نہیں۔ کسی نے آلاتِ مزامیر کپڑوں کے نیچے یا کہیں اور چھپا رکھے ہوں، تو اس کی تلاشی لینے کی احتیاج نہیں۔ اگر دو ثقہ غلام یا ایک آزاد مرد گواہی دے کہ کسی گھر میں شراب خوری جاری ہے، تو صاحبِ خانہ کی اجازت کے بغیر وہاں نہیں جانا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک یا دو عادل گواہوں کی شہادت سے کسی مسلمان کا حقِ ستر، مسلوب نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں حضرت لقمانؑ کی انگشتری پر لکھا ہوا تھا کہ "جو کچھ تو نے دیکھا اس کا چھپانا، اس کے ظاہر کرنے سے زیادہ بہتر ہے" پس محتسب کو آشکارا برائیوں پر نظر رکھنا چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ پند و انداز میں حکمت سے کام لیا جائے۔ وعظ و نصیحت میں شفقت، اخوت، دلسوزی اور ہمدردی کا دامن ہاتھ سے نہ دینا چاہیے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنی بے حرمتی، رسوائی اور عیبوں کے بے پردہ ہونے سے خزیدہ ہوتا ہے، اور ان حالات میں وہ ضد اور ہٹ دھرمی کو نرمی اور شرافت پر ترجیح دینے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ حکمت و دانش پند و انداز میں پیرایۂ بیان ایسا اختیار کرتے ہیں کہ کسی کی ذاتی جہالت، نادانی، بے عملی اور گناہگاری پر براہِ راست زد نہ پڑے۔ کسی کو جاہل و احمق کہہ کر پکارنا اس کے لیے باعثِ اذیت ہے، اور کسی مسلمان کو بلا ضرورت اذیت دینا غیر مستحسن ہے، خواہ برائی پر روک و قدرح کے سلسلے میں ہی ہو۔ پہلے نرمی اور خوش خلقی کے آداب سے کام لینا چاہیے، سختی بعد کا مرحلہ ہے۔ نرمی سے قبل سختی سے کام لینا ایسا ہے جیسے پیشاب کو خون سے دھویا جائے۔ واعظ کو چاہیے کہ

مثلاً عذابِ آخرت کی کیفیت، قرآنِ مجید کی آیات اور احادیثِ رسولؐ کی رُو سے بیان کرے، اخیار اور نیک سرشت لوگوں کی زندگیوں کے واقعات نقل کرے اور گناہ کے بُرے نتائج نمایاں کرے۔ دوسروں کے عیوب کے بیان میں اس کا بیان اتنا رقت بار اور اثر آفرین ہو کہ گویا وہ خود ان گناہوں کا مرتکب ہوا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: مومن ایک جسمِ واحد کی مانند ہیں۔ جب ایک عضو کو تکلیف پہنچے، تو بخار اور رات کی بے قراری میں دوسرے اعضا بھی شریک رہتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی تکلیف کا احساس رکھے، ورنہ اس کا دعویٰ اسلام ناقص ہوگا۔ معصیت اور گناہ ایک تکلیف دہ حالت ہے، اس لیے واعظ کا بیان مؤثر اور ہمدردانہ ہونا چاہیے۔

سخت سست کہنا اور گالی گلوچ سے کام لینا تیسرا مرحلہ ہے جو مندرجہ بالا دو آداب کے بعد مجبوراً اختیار کیا جا سکتا ہے۔ جب ہٹ دھرم وعظ و نصیحت کا استہزا کریں، تو متقابلاً ان کا استہزا کیا جا سکتا ہے مگر فحش اور جھوٹ سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ یہ نہ کہا جائے کہ اے جاہل، اے فاسق، اے احمق، حالانکہ ہوائے نفس کے پیرو احمق ہی ہیں۔ حدیثِ قدسی ہے: جو ہوائے نفس کا اتباع، اور خدا سے مغفرت کی توقع بھی رکھے، وہ احمق ہے۔ بہرصورت اگر نرمی سے کام چلے تو سختی اختیار نہ کی جائے۔ ہاں بقدرِ ضرورت ترشی روا ہے، بشرطیکہ ایسا نظر آئے کہ تحقیر و استہزا کے نتیجے میں مخاطبین اثر قبول کریں گے۔

تغیرِ حالت یہ ہے کہ مثلاً شراب کے ظروف توڑ دیے جائیں، یا آلاتِ مزامیر کو بے کار بنا دیا جائے، یا چور اور غاصب کے قبضے سے مسروقہ اور مغصوبہ مال برآمد کر لیا جائے اور چوری کیے ہوئے کپڑے اتروا لیے جائیں۔ اس صورت میں دو باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

محتسب علیہ پر اگر اپنی قدرت کا مکمل یقین نہ ہو تو تغیرِ حالت کے کام کو محتسب ہاتھ نہ لگائے۔ دوسرے یہ کہ حدِ اعتدال سے بڑھ کر فتنے کو ہوا نہ دے۔ مثلاً غاصب کے قبضے سے جب غصب شدہ مال لے تو اس کی ریش اور گریبان کو نہ پکڑے۔ ہاتھ سے پکڑے رکھنا کافی بالذات ہے۔ گانے بجانے کے آلات توڑے، تو انھیں جلائے نہیں۔ برتن ٹوٹ کر اگر شراب خواری کے قابل نہ رہیں، اور آلاتِ مزامیر بھی اگر اپنے اصلی کام کی خاطر بے کار ہو جائیں، تو ان سے دوسرا کوئی کام لینا مباح ہے۔ ہاں اگر شراب کے برتن دوبارہ جوڑ کر ان سے

دیا کام لیا جائے تو پھر توڑ دیے جائیں کیونکہ آنحضرتؐ کے زمانے میں ایسے برتن توڑ دیے گئے تھے اور توڑ دینے کے لیے آئندہ کا حکم بھی منسوخ نہیں ہوا۔ اس عہد میں زجر و تہدید کی خاطر ایسا کیا گیا اور آئندہ بھی بقدرِ احتیاج ایسا کیا جا سکتا ہے۔ ہاتھ پہنچ سکے تو ہاتھ سے، ورنہ پتھر وغیرہ کے ذریعے توڑنا چاہیے اور ازالۂ فسق کی خاطر برتن کی قیمت کی ادائیگی بھی ساقط رہے گی۔ اس ضمن میں بہت سے دقیق فقہی مسائل بھی ہیں جن سے محتسب کو آگاہ ہونا چاہیے۔

پانچویں بات تہدید اور ڈرانے دھمکانے کی ہے مثلاً کہا جائے کہ یہ کارِ بد ابھی ترک کرو ورنہ تجھ پر حد جاری کراؤں گا یا تمہارا سر توڑ دوں گا۔ اس سلسلے میں محتسب کو ایسی تہدیدات سے گریز کرنا چاہیے جو شرع میں مجاز نہیں جیسے یہ کہنا کہ تیرا مکان گرا دوں گا یا تیری بیوی اور بچوں کو قید کر دوں گا، ایسی بات دانستہ کہنا غلط ہے اور محض ڈرانے دھمکانے کے لیے کہنا جھوٹ ہوگا۔ اس بارے میں احتیاط کرنا چاہیے۔ تہدید کے نتیجے سے شاید مجرم بُرے کام سے ہاتھ کھینچ لے، مگر علمائے سلف کے بقول اس سے کذب کا ارتکاب نہ کیا جائے کیونکہ مقصد برائیوں کا روکنا ہے، لیکن یہ نہیں کہ ایک بُرائی کو مٹا کر دوسری کو رائج کر دیا جائے۔

چھٹے آداب کے سلسلے میں بھی، جو مار پٹائی سے مربوط ہے، دو شرطوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

ایک یہ کہ زبانی اصلاح کے سارے طریقے استعمال کر کے اس پہلو کو اپنایا جائے، اور وہ بھی محتسب علیہ کے جرم اور تقصیر کے مطابق معتدل حد تک۔ دوسرے یہ کہ ضرب اس حد تک نہ ہو کہ محتسب کو قاضی کے ہاں جانا پڑے۔ مقصد یہ کہ بدکاری پر اس طرح تیر نہ برسایا جائے کہ اس کی جان خطرے میں پڑ جائے۔ معتزلہ تو حقوق اللہ کے معاملے میں زبانی وعظ و نصیحت کے ماسوا مار پٹائی سے کام لینے کے سرے سے مخالف ہیں لیکن اہلِ سنت والجماعت کے علمائے احتساب کے معاملے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے درمیان کوئی امتیاز روا نہیں رکھا ہے۔

احتساب کا ساتواں اصول محتسب کے کمزور اور محتسب علیہ کے قوی ہونے کی صورت میں ہم نواؤں اور حمایتیوں کی مدد لینے کے بارے میں ہے۔ اس طرح مبارزہ اور مقابلہ ہو سکتا ہے۔ اس اصول کے بارے میں اختلاف ہے۔ کئی علماء نے لکھا ہے کہ کسی شہری کو حکومت کی اجازت کے بغیر اس قسم کا کام نہیں کرنا چاہیے

کیونکہ اس سے فتنہ و فساد پیدا ہو سکتا ہے۔ بعض نے اس سے اختلاف کر کے لکھا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واجب کام کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں۔ میرے خیال میں کفار کی بستی میں ایسا کونا روا ہے کیونکہ غیر مسلموں سے اصلاحی جہاد کی اجازت اور رخصت ہے، مگر گناہ گار مسلمانوں سے اس قسم کے سلوک کی ضرورت نہیں۔ برائی کے پھیلانے والے فساد کو ہوا دینے والے ہیں، اور فساد کو روکنے کی کوشش کرنا واجب ہے۔ اسی لیے محتسب مظلوم اگر مارا جائے تو شہید کا رتبہ پاتا ہے۔ بہرحال یہ شق، نادر واقعات سے مربوط ہے اور اس میں اختلاف بھی ہے۔ اگر محتسب کسی بستی میں محصور ہو تو قیاس کی رو سے اپنے حمایتیوں سے مدد لے سکتا ہے ورنہ فقہی اختلاف کے کام میں خواہ مخواہ ماخوذ ہونا اور فتنے کا باعث بننا مصلحتِ شرعی کے خلاف ہے۔

تیسرا رکن، محتسب علیہ

محتسب علیہ وہ شخص ہے جو کسی ایسے ممنوع اور قابلِ اعتراض فعل کا مرتکب ہو جسے عرفِ عام میں فسق یا گناہ کہتے ہیں۔ اس صورت میں اس کا انسان ہونا کافی بالذات ہے، عاقل، بالغ، آزاد اور مسلمان ہونے کی شرائط یہاں ضروری نہیں۔ نابالغ کو شراب خوری سے یا دیوانے کو بدکاری سے روکنا ضروری ہے۔ آخر چوپائے کو بھی فصلیں خراب کرنے سے روکا جاتا ہے مگر یاد رہے کہ اصطلاحاً ایسے کاموں کو احتساب نہیں کہتے جتنا ایسے منکرات سے روکنے یا تنبیہ کرنے کو کہتے ہیں جن سے حقوق اللہ یا حقوق العباد مجروح ہوتے ہوں۔ پس احتساب دو وجوہ سے ہے: حقوق اللہ کی خاطر کہ ان کا انجام نہ دینا گناہ ہے، اور حقوق العباد کے اتلاف پر کہ ایسا کرنا ظلم ہے۔ مثلاً دوسرے کا مال ضائع کرنے والے کا اس لیے احتساب کیا جائے گا کہ اس نے خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف کام کیا اور دوسرے کے مال کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ فرض کریں ایک شخص کے کہنے پر دوسرا اس کا کوئی عضو کاٹ ڈالے، تو حقوق العباد سے وہ بری مانا جائے، تو بھی حقوق اللہ کی (یعنی فرمانِ باری تعالیٰ) کی خلاف ورزی کی اسے سزا ملے گی۔ کیونکہ کسی کا عضوِ سالم کاٹنا، باعثِ عقوبت ہے۔ نابالغ کو شراب خواری یا دیوانے کو بدکاری سے روکنے کی مثالیں ایسی ہی ہیں۔ چوپائے کو فصلیں خراب کرنے سے روکنا ایسا نہیں کیونکہ اس کا روکا جانا دہقان کے لیے مفید ہے، خود چوپائے کے لیے نہیں، مگر مسلمان

دہقان کے کشت کی حفاظت بھی واجب ہے۔ اس کے باوجود صاحبانِ نظر جانتے ہیں کہ یہ اعمال "احتساب" نہیں کیے جا سکتے۔

میرے عزیز، ان مسائل پر غور کرنے کے بعد یہ بات بھی جان کہ دوسرے کے مال کی حفاظت کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ اس کی جان، مال اور حیثیت کو، اہل اسلام کے معمولی حقوق کے مطابق محفوظ رکھا جائے۔ جو کوئی بھی "سلام" کا جواب تک دیتا ہو۔ مسلمان معاشرے میں اس کا اس حد تک احترام ضروری ہے، اور اس کے گناہوں کا خیال نہ رکھا جائے گا۔ لیکن احتساب کے دوران میں قدرح میں اگر اس کی کوئی چیز نقصان پذیر ہو جائے، تو وہ اس حکم میں داخل نہیں، اور اس کا اشارہ اس سے قبل ہو چکا۔ حفاظتِ مال میں قلت و کثرت کا کوئی لحاظ نہیں۔ ہر کسی کو اس کا قلیل یا کثیر مال، جو اس کی حیثیت کے مطابق اور اس کی رفعِ احتیاجات کے لیے ناگزیر ہو، یا مشکل اوقات کے لیے جمع کیا ہو، اس کی خاطر عزیز ہے۔ محتسب کا کام یہ ہے کہ محتسب علیہ کو مخالفتِ نفس کرتے اور حقوق اللہ یا حقوق العباد کے انجام دینے میں جان و مال کی قربانی کی اہمیت دل نشین کر سکے۔

احتساب کے کام میں محتسب علیہ کو دو قسم کے رنج و تعب سے احساسِ ندامت دیا جا سکتا ہے۔ ایک نرمی کا طرز ہے، اور دوسرا سختی و درشتی کا ترسناک اسلوب۔ مگر متوسط طریقہ ہی بہتر ہے اتنی نرمی نہ ہو کہ احساسِ ندامت دبا رہے اور نہ اتنی سختی کہ ضد اور ہٹ دھرمی کو جنم دے۔ اہلِ علم و ورع عاملین پر واجب ہے کہ عقل و نقل کی رو سے بہتر راہ دکھائیں اور برائیوں کا سدِ باب کریں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چوتھا رکن، محتسب فیہ

محتسب فیہ وہ کام ہے جس کی علت سے احتساب لازم آتا ہے اور محتسب، محتسب علیہ کو ملامت یا عتاب کے کٹہرے میں لا کھڑا کرتا ہے۔ محتسب فیہ (یعنی منکرات) سے بھی چار شرائط مربوط ہیں پہلے یہ کہ قابلِ احتساب کام واقعی "منکرات" کے حکم میں ہو۔ کئی کام بادی النظر میں احتساب کے لائق نظر آتے ہیں، جیسے نابالغ کا شراب پینا یا دیوانے کی بدکاری، مگر فاعل اور مرتکب کے پیشِ نظر

انھیں گناہِ کبیرہ اور محتسب فیہ امور نہیں کہا جا سکتا۔ پس لفظ 'منکر' یہاں مرتکب فعل کے حوالے سے قابلِ غور ہوگا۔ دوسرے یہ کہ 'منکر' انجام دیے جانے کی حالت یا اسی اثنا میں مرتکب فعل ماخوذ ہو، کیونکہ اس کے بعد احتساب کا حق جاتا رہتا ہے۔ صاحبِ اختیار حاکم کی طرف سے حد جاری کرنا اور تعزیر وہ کام ہے جو محتسب کے اختیار سے باہر ہے۔ علانیہ فسق و فجور کے مرتکب پر وعظ و نصیحت بھی کارگر نہ ہوگا، اس سے مناسب طور پر نمٹنا چاہیے۔ تیسرے یہ کہ 'منکر' کا تجسس نہ کیا جائے۔ بات ظاہر ہو جائے تو 'احتساب' کیا جائے ورنہ کسی گناہ گار کا پردۂ ستر چاک نہ کیا جائے۔

کہتے ہیں ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں گشت فرما رہے تھے کہ ایک بدکار مرد اور فاحشہ عورت پر نظر پڑ گئی۔ دوسرے دن منبر مسجد پر آئے اور فرمایا: "اگر حاکم کسی بدکار جوڑے کو دیکھے، تو کیا حد جاری کر سکتا ہے؟" لوگ بولے: "امیر المومنین! آپ حاکم ہیں اور مصلحتِ شرعی کے مطابق فیصلہ کر سکتے ہیں۔" اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا: "امیر المومنین کے لیے مناسب نہیں کہ ایسی بات کا اظہار کریں جس پر حد جاری نہیں کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے، اگر چار گواہ نہ ہوں، تو اس معاملے کو چھپا رکھنے کا حکم دیا ہے۔ ایک گواہ کی شہادت پر حد کیسے جاری ہوگی؟ ایک اور روایت ہے کہ ایک رات حضرت عمرؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف مدینے کے نواح میں گشت فرما رہے تھے۔ ایک گھر میں روشنی نظر آئی اور قریب ہونے پر کسی مے خوار کی آواز سنائی دی۔ حضرت عبدالرحمنؓ کو معلوم نہ تھا کہ وہ گھر کس کا ہے، مگر حضرت عمرؓ کے خیال میں وہ ربیعہ بن امیہ بن خلف کا گھر تھا، اور اس گھر والے شرابی ہونے کی بنا پر بدنام بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے مشورہ مانگا کہ کیا کریں۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے فرمایا کہ "تجسس کر کے ہم نے پہلے ہی خلاف شرع کام کیا ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "تجسس نہ کرو۔" اب مزید کیا کر سکتے ہیں؟" یہ سن کر حضرت عمرؓ ان کے ساتھ وہاں سے پلٹ آئے۔ بہرحال گھر میں شراب خواری کے دور یا محفل رقص و سرود ہونے کا تجسس کرنا روا نہیں۔ ہاں جب علائم اور صدائیں دور تک معلوم ہوں، تو پھر اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ظروفِ خمر یا آلاتِ مزامیر کے بارے میں تحقیق کر لینا چاہیے کہ آیا ان سے استفادہ کیا

جا رہا ہے یا یوں ہی پڑے ہیں۔ تحقیق بہرحال حواسِ خمسہ میں سے کسی حاسے کے ذریعے ہو سکتی ہے آنکھ سے دیکھنا ضروری نہیں ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ مسلمہ 'منکر' ہو، فقہا اور مجتہدین کو اس میں اختلاف نہ ہو۔ اصولی بات یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے کسی مجتہد امت نے جس کام کے کرنے کا کہا ہو، کسی دوسرے کو اس کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔ مثلاً فقہ حنفی کے پیرو کو فقہ شافعی کے پیرو کے ذبیحوں پر انکار نہیں کرنا چاہیے۔ اسی طرح فقہ شافعی والا، بلا ولی نکاح، پڑوسی کے حق شفعہ اور بے نشہ نبیذ پینے کے مسائل میں کسی حنفی پر معترض نہ ہو۔ درست ہے کہ ان فقہوں کے پیرو اپنی اپنی روش پر چلیں گے، مگر اجتماعی امور کے معاملے میں فروعات پر توجہ رکھنا اور نزاع رکھنا مناسب نہیں۔ یہاں دو احتمالات بھی بیان کر دیں۔

ممکن ہے کہ محتسب کسی بردے کو اپنی عورت سے مباشرت کرتا دیکھے، اور یہ ایسی عورت ہو جو صغر سنی میں باپ کی وکالت کے ذریعے اس کے نکاح میں آئی ہو مگر وہ خود اس امر سے بے خبر ہو۔ ایسی صورت میں اگر کسی محتسب کو اطلاع ہو تو چشم پوشی کرے اور اس پر گواہ جمع نہ کرے۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دے رکھی ہو، اور پھر اس کے ساتھ تعلیق کر رکھا ہو، تو اسے اس 'منکر' سے سختی کے ساتھ منع کیا جائے۔ محتسب پر بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اور اگر وہ کسی حاکم کا مامور ہو، تو اسے چاہیے کہ دنیا کی خاطر دین نہ بیچ ڈالے۔

'منکرات' (قابلِ احتساب برائیوں) کی اقسام

عصرِ حاضر کی عادات و رسوم اور آداب و سنن کے مطابق میرا خیال ہے کہ 'منکرات' کی سات اقسام کی جا سکتی ہیں:

مساجد کے منکرات، گلی کوچوں کے منکرات، شاہراہوں کے منکرات، حماموں کے منکرات، دعوتوں ضیافتوں کے منکرات، مال کے منکرات اور عام منکرات۔ ان کی مختصر کیفیت ذیل میں لکھی جاتی ہے۔

مساجد کے قابلِ گرفت منکرات عبادت، تلاوت، لباس اور آدابِ گفتگو وغیرہ سے مربوط ہیں۔ نماز کے ارکان صحیح ادا نہ کرنے والوں، بے ترتیل تلاوت کرنے والوں، مسجد کی حدود میں قصہ کہانیاں بیان کرنے والوں

زرق برق لباس پہننے اور شمشیر بکمر آنے والوں کا احتساب حکمت سے کیا جائے۔ چونکہ نماز میں رکوع اور سجود وغیرہ صحیح اور متوازن طریقے سے ادا کرنا ضروری ہے، اس لیے اس پر متنبہ کیا جائے۔ قرأت نہ جاننے والے اور بدالحان تلاوت کرنے والے قابلِ احتساب نہیں کہ ترتیل اور خوش الحانی سے پڑھیں مگر اپنی بلند آواز سے دوسروں کے ذوقِ سمع کو مجروح نہ کریں۔ عبادت میں طہارت کے علاوہ تجمّل بھی مجاز ہے مگر غرور اور تبختر کا نماز لباس نہ پہنا چاہیے۔ مسجد کو بازیچۂ اطفال نہ بننے دیا جائے۔ بچوں کو بے سرپرست آنے دیا جائے۔

گلی کوچوں کے منکرات کئی ہیں، خرید و فروخت میں جھوٹ بولنا، بیچی جانے والی چیز کے نقائص چھپانا، زیادہ قیمت کی بولی بولنا، کم وزن کے باٹ استعمال کرنا، زبانی کیے ہوئے سودے فسخ کرتے رہنا، مورتیں پر تصاویر بیچنا اور اسی قبیل کے دیگر کام۔

خرید و فروخت میں جھوٹ بولنا، قیمت خرید یا فروخت کو قسمیں کھا کھا کر زیادہ یا کم بتانا بے حد معیوب ہے۔ جو ناقص چیز بیچی جائے، اس کا نقص خریدار سے چھپانا گناہ ہے۔ کہتے ہیں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ ایک جگہ موجود تھے اور کوئی اونٹ بیچ رہا تھا۔ اونٹ کو کسی نے ۳۰۰ درہم میں خریدا اور چل دیا۔ حضرت واثلہ نے اس سے پوچھا: اونٹ بار برداری کے لیے خریدا یا سواری کی خاطر؟ وہ بولا سواری کی خاطر۔ آپ نے اونٹ کے پاؤں میں جو نقص دیکھا تھا، اسے بتا دیا۔ اس نے لوٹ کر تاجر سے کہا کہ میں اس اونٹ کی قیمت سو درہم کم دوں گا کیونکہ اس کا پاؤں خراب ہے۔ تاجر سمجھ گیا کہ حضرت واثلہ نے اسے سمجھایا ہے، اس لیے ان کی شکایت کی۔ آپؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریمؐ سے سنا تھا: یہ بات جائز نہیں کہ کوئی شخص کچھ بیچے اور خریدنے والے کو اس کا نقص نہ بتائے اور نہ دکھائے۔"
کم وزن کے باٹ سے بیچنے والے کی شکایت حاکم یا قاضی سے کرنا چاہیے اور اسے مناسب سزا دلوانا چاہیے۔ اسی طرح پرانے کپڑوں کو الٹ کر نیا بنا کر بیچنا بھی قابلِ تعزیر ہے کیونکہ دھوکے کی ایک صورت ہے۔

شاہراہوں کے منکرات یہ ہیں کہ راستہ روکے رکھا جائے، راستے پر غلاظت پھیلائی جائے یا دہاں بازار لگا کر لوگوں کی آمد و رفت میں رکاوٹ ڈالی جائے۔ وہاں ایندھن جمع کرنا یا مویشیوں کے ٹھٹ لگا دینا بھی ایسا

ہی ہے۔ خلاصہ یہ ہے شاہراہوں کو صاف اور سہل العبور رکھنا ضروری ہے۔ گھر کے "منکرات" میں کاٹنے والا کتا بھی شامل ہے، اور بلا ضرورت یہ موذی نہ رکھا جائے۔ حمام کے منکرات یہ ہیں کہ ایک دوسرے کے مقامِ نہانی پر نظر نہ پڑے کیونکہ یہ لعنت آمیز کام ہے، کوئی ہوسناک اور شہوت زا کام نظر آتے اور پانی بہانے میں بھی اسراف نہ ہو۔ صاحبِ حمام کو خیال رکھنا چاہیے کہ فرش پھسلواں نہ بنائے اور پانی کے بہنے کا رُخ بھی مناسب ہو تاکہ کیچڑ اور گندگی نہ پھیلے۔ برتنوں میں قابلِ احتساب چیزیں یہ ہیں کہ ان پر عریاں تصاویر نہ ہوں۔ مجلس و ضیافت میں بھی شرعی آداب کا لحاظ رکھنا چاہیے، تاکہ بدعات وہاں متداول نظر نہ آئیں: مرد و زن کا اختلاط، فحش گوئی، رقص و سرود، مسخروں اور ظریفوں کی پھلجھڑیاں، اور خدا فراموشانہ ماحول، صاحبانِ نظر کے خیال میں قابلِ احتساب ہے۔ اسراف ضیافتوں میں ہو یا لباس میں، ظروف میں ہو یا مکانوں کی ساخت میں، اس بدعت سے احتراز ضروری ہے۔

چھٹے "منکرات"، مال کے ہیں: مال کا ضیاع اور بنیادی چیزوں، خوراک لباس اور مکان کے خرچ میں اسراف ناروا ہے۔ ان امور کی توضیح کی ضرورت نہیں۔ بنیادی بات یہ ہے کہ مال ضروری احتیاجات کے معتدل انداز میں پورا کرنے میں صرف کرنا چاہیے اور باقی دوسروں کی حاجت برآری اور دینی اُمور میں احتیاجات کو مباح کاموں میں بھی "ترجیحات" کے تحت رکھیں۔ خانۂ خدا مسجد کی زینت و آرائش کروانا مباح ہے، مگر عیال کے لیے مخصوص کیا ہوا مال اگر اس کام میں بھی خرچ ہو کہ وہ محتاج رہ جائیں، تو اُسے ناروا کہا جائے گا۔

ساتویں قسم کے "منکرات"، عام نوعیت کے ہیں اور اس عصر میں کوئی ان سے مصئون و محفوظ نہ ہوگا۔ الا ماشاء اللہ، اس لیے حاکم اور محتسب کے کام بھی مشکل تر ہو گئے ہیں۔ علاوہ ازیں ایک دوسری بات قابلِ غور ہے۔ ولایاتِ اسلام کے شہر و دِہ میں امورِ دین سے جہالت بڑھتی جا رہی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ فقہا مامور کیے جائیں کہ مسائل سمجھائیں اور امورِ دین کی تعلیم دیں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا، تو صلحا، واعظین اور محتسبوں کی کوششیں نقش بر آب ہوں گی اور اشرار و اوباش، نصائح دین کا اثر تمسخر اور استہزا کے ذریعے زائل کر دیں گے۔ مسلمان طلبا کو حسنِ تعلیم و تادیب کی ضرورت ہے تاکہ وہ ہوی اور بدعت سے گریزاں

ہوں - اور ان کے علم ودانش کی روشنی سے جہالت اور بے عملی کی ظلمت کافور ہو - طلبہ، خصوصاً فقہ کے فارغ التحصیل طلبہ، کے لیے ضروری ہے کہ وہ فرائضِ کفایہ کے انجام دینے پر بھی توجہ دیں۔ انھیں چاہیے کہ اپنے گھر والوں اور پڑوسیوں، نیز خویش واقارب میں سے بعض کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے آمادہ کردیں - کیونکہ اگر احتساب کے فرضِ کفایہ کو ادا نہ کیا گیا، تو قیامت کے دن ہر محلے، دیہات، شہر اور ملک کے لوگ اس بے عملی کے لیے ماخوذ ومعتوب ہوں - والسلام علی من اتبع الھدیٰ ۔ سکہ

سکہ ۴۷ : ۲۰ - یعنی جس نے ہدایت کا اتباع کیا، اس پر سلام ودرود ہو،

احادیث حضرت شاہِ ہمدان نے احیاءعلوم الدین سے زیادہ نقل کی ہیں، اور علمِ حدیث کی رُو سے وہ مختلف درجات کی ہیں -

---

فقہائے ہند

جلد چہارم - حصہ اوّل

مولانا محمد اسحاق بھٹی

یہ کتاب گیارھویں صدی ہجری کے فقہائے برِصغیر پاک وہند کے حالات وسوانح اور ان کی علمی وفقہی خدمات پر مشتمل ہے اور اس دور میں برِصغیر پاک وہند کے مختلف محدثین وفقہا نے جو علمی کوششیں کیں ان کا یہ بہترین مرقع ہے - نیز اس میں بتایا گیا ہے کہ کس کس حکمران کے عہد میں کون کون فقہائے کرام ارضِ ہند میں نمایاں ہوکر اُبھرے اور ان فقہا سے اس دور کے ملوک وسلاطین کس طرح پیش آتے اور ان کی کس درجہ تکریم وتعظیم کرتے تھے - کتاب کے حجم کی وجہ سے اس کو دو حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے - اور پہلا حصّہ شائع کیا جاتا ہے -

صفحات ۳۹۲

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور